پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1070

بدھ 30 ربیع الثانی 1445ھ مطابق 15 نومبر 2023ء

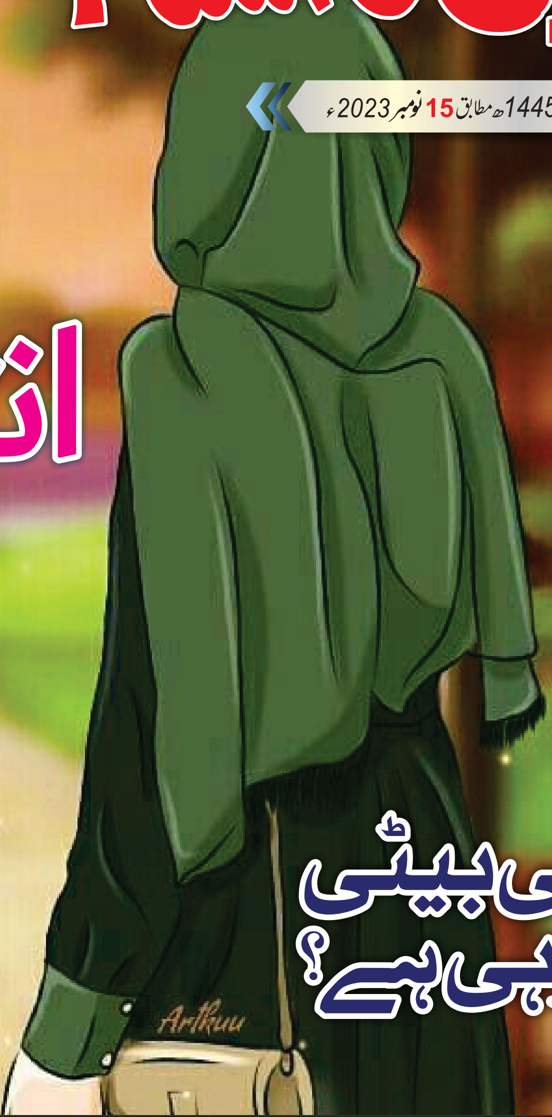

انتظار

کیا آپ کی بیٹی بڑی ہو رہی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

خواہش پرست سب سے بڑا گمراہ!

(اے رسول) اگر وہ آپ کے دعوت قبول نہیں کرتے تو آپ جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرر ہے ہیں اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے، بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

(سورۃ القصص: آیت ۵۰)

الحدیث

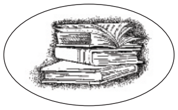

خواہش پرستی، سامانِ ہلاکت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین چیزیں انسان کو نجات دینے والی ہیں۔ (۱) خفیہ اور اعلانیہ اللہ کا خوف۔ (۲) خوشی اور غصہ کی حالت میں عدل۔ (۳) غریبی اور امیری میں میانہ روی۔ اور تین چیزیں ہلاکت کا سامان ہے۔ (۱) خواہش پرستی۔ (۲) حرص کی غلامی اور (۳) خود پسندی۔

(طبرانی)

مولانا مفتی محمّد ابراہیم صادق آبادی

ادائے حقوق:

سوال: دورانِ تعلیم مجھ پر کچھ حقوق واجب ہوئے۔ کسی کی چیز بلا اجازت استعمال کرلی۔ کسی کا نقصان کردیا۔ کسی کی چیز لے کر واپس نہ کرسکی۔ غرض کئی طرح کے حقوق ہیں، اب میں واپس بھی نہیں کرسکتی۔ عورت ذات ہوں، البتہ اُن لوگوں کے لیے دعا کرتی رہتی ہوں۔ کیا ان کی طرف سے صدقہ کردینا کافی ہے؟ [ایک بیٹی]

جواب: یہ تو اچھا کرتی ہیں کہ حق داروں کے لیے دعا کرتی ہیں، لیکن سبکدوش ہونے کے لیے اتنا کافی نہیں کہ دعا اور صدقہ کریں بلکہ حق دار تک ان کے حقوق کا پہنچانا ضروری ہے، خواہ کسی بھی ذریعے سے پہنچائیں یا ان سے معاف کرالیا جائے، جن حق داروں کا علم ہے، ان کے متعلق یہی حکم متعین ہے، جن کا علم نہیں ان کی طرف سے بقدر حقوق صدقہ کردیجیے، اس نیت سے کہ اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ اُن تک پہنچادیں۔

قرآن خوانی کی اجرت:

سوال: میں بچیوں کو قرآن مجید پڑھاتی ہوں۔ اب جن لوگوں نے قرآن پڑھوانے کی منت مانی ہوتی ہے یا کسی کے ایصالِ ثواب کے لیے تیجے، چالیسویں وغیرہ کے مواقع پر قرآن خوانی کرنی ہوتی ہے تو مجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہ بچیوں سے قرآن خوانی کروائیں، پھر کھانا یا پھل وغیرہ بھی دے جاتے ہیں۔ قرآن خوانی کروانا اور کھانا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ [ایک بیٹی، چکوال]

جواب: اوّل تو قرآن خوانی کی منت صحیح نہیں۔ دوسرے تیجہ، چالیسواں وغیرہ بدعات ہیں، اِس لیے ان میں شرکت یا تعاون جائز نہیں، تیسرے قرآنی خوانی کے بعد قرآن پڑھنے والوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے (خواہ نقدی کی صورت میں ہو یا کھانے وغیرہ کی شکل میں) یہ قرآن کی اجرت ہے جو ناجائز ہے، لہٰذا یہ قرآن پڑھنا پڑھوانا، کھانا قبول کرنا جائز نہیں۔ اس کی بجائے اگر آپ یہ صورت اختیار کرلیں کہ جو شخص اِس قسم کی فرمائش کرے اس کے لیے قرآن ختم کروانے کی بجائے بچیوں سے کہہ دیں کہ آج صبح سے شام تک آپ جس قدر قرآن پڑھیں اس میں نیت کرلیں کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ فلاں مسلمان کی روح کو پہنچادیں اور ان سے کھانا یا پھل وغیرہ کوئی چیز قبول نہ کریں۔ یہ صورت کسی قسم کے رسم و رواج سے پاک بے ضرر سی صورت ہے، جو مرحومین (جن کے لیے ایصال ثواب کیا گیا) کے لیے بھی مفید ہے اور اس میں قرآن پڑھنے والیوں کا بھی تعلیمی حرج نہیں۔

دورانِ وضو اذان کا جواب:

سوال: اگر دورانِ وضو اذان شروع ہوجائے تو اذان کا جواب دیں یا مسنون دعائیں پڑھیں؟ [ایضاً]

جواب: دورانِ وضو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں، اگر چاہیں تو مسنون دعا پڑھنے کے ساتھ ساتھ کلماتِ اذان کا جواب بھی دیتے رہیں۔ واضح رہے کہ دورانِ وضو صرف ایک دعا پڑھنا ثابت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔ [نسائی]

بیماری کی فضیلت:

سوال: لوگوں میں مشہور ہے کہ جو شخص کبھی بیمار نہ ہو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے، اس کی وضاحت کیجیے۔ کیا یہ درست ہے؟ [اخت عبیداللہ لیاری کراچی]

جواب: یہ بات میرے علم میں نہیں اور سرسری تلاش سے ایسی کوئی روایت ملی بھی نہیں، البتہ یہ روایت اس سے کچھ ملتی جلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک شخص کی وفات ہوئی تو کسی نے کہا اسے مبارک ہو کہ وفات پا گیا اور (کبھی بھی) کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عجیب انسان ہو، تمھیں کیا معلوم؟ اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتے تو اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیتے۔'' [مالک]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیماری بندۂ مومن کے حق میں عظیم انعام ہے، اس کے گناہ جھڑتے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ بیماری کے فضائل میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث ہے کہ پوری مخلوق میں سب سے بڑھ کر آزمائش انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہے پھر جو اُن کے بعد افضل ہوں، پھر جو اُن کے بعد افضل ہوں۔ مسلمان پر آزمائش اس کے دین کے لحاظ سے آتی ہے یعنی جس قدر دین میں مضبوط ہوگا اتنی بڑی آزمائش آئے گی۔ ترمذی ابن ماجہ وغیرھما

لیکن ہر مسلمان کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی ہی کی دعا کرنی چاہیے۔ ہاں البتہ کبھی بیماری یا آزمائش آجائے تو صبر سے کام لے۔

پلاٹ

محمد فیصل شہزاد

ایک اچھی لوکیشن، کارنر پلاٹ، پارکنگ فیس، ویسٹ اوپن، پارک کے سامنے کا بہت موقع کا پلاٹ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

کیا تھا جو ذرا ہمت سے کام لیتا۔

اب وہ کل سے پچھتا رہا تھا کہ موقع کی ایک جگہ اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

فجر کی نماز نکل گئی تھی۔ وہ پڑا سوتا رہا تھا۔

اس کے پاس ایک عذر تھا، بلکہ اعذار کی ایک لمبی قطار تھی، لیکن پچھتاوا کوئی نہیں تھا۔

وہ گھر سے نکلا تو اس کے ذہن پر ۲۵۰ گز کا پلاٹ سوار تھا۔ ''یہ فٹ میں کتنے ہوئے......؟''

وہ سوچ رہا تھا۔

پھر وہ رکا، موبائل کھولا اور اسکرین کو رگڑ کر گوگل جن کو طلب کیا۔ گوگل جن ہاتھ باندھے فوراً حاضر ہوگیا۔

اُس نے اسے گز کو فٹ میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔

ماسٹر جی کے فٹے سے ہاتھ سرخ کرکر اور کاپیوں پر لائن کھینچ کھینچ اُسے بچپن سے فٹ اور انچ ہی کا حساب معلوم تھا۔ خیر گوگل نے حکم کے غلام کی طرح ایک پل میں سارا حساب سامنے لا دھرا۔

''اوہ اچھا......!'' اسے حیرت ہوئی۔ ''گز اور میٹر تو قریب قریب برابر ہی ہوتے ہیں، یعنی تین فٹے۔''

اب اُس کے دماغ میں ۲۵۰ مربع فٹ کا ایک خوبصورت پلاٹ جگمگانے لگا۔

''آہا محل وقوع کیا شاندار تھا۔ گھر کی پچھلی دیوار کے ساتھ حسین پارک، ویسٹ اوپن، سامنے یہ لمبی سی چمکیلی چوڑی سڑک۔''

اب اگلی باری اس پر ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر کھڑا کرنے کی تھی۔

اسے گھروں میں تہ خانے بہت پسند تھے۔ سخت گرمیوں میں ٹھنڈے یخ، نیم تاریک اور خاموش سے پرسکون تہہ خانے میں بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا فرحت بخش خیال آنے کی دیر تھی کہ اُس کی سوچ نے کدال اٹھایا اور زمین کی گہری گہری بنیادیں کھودنا شروع کردیں۔

ابھی سوچ نے پہلی ہی کدال ماری تھی کہ قیامت برپا ہوگئی۔ شاید صورِ اسرافیل پھونکا گیا تھا کہ اس کا محبوب پلاٹ تخیل کی زمین پر زیروزبر ہوگیا۔

وہ بُری طرح ہڑبڑا گیا۔

دیکھا تو اس کے پاس سے ایک سر پھرا لڑکا ''ہوا کے گھوڑے'' پر سوار زور سے ہارن بجاتے ہوئے زن سے گزرا تھا۔

کم بخت نے محل تعمیر ہونے سے پہلے ہی بنیادیں اکھاڑ دی تھیں۔

قیامت آکے گزر گئی تو اس نے سر جھٹک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

وہ سڑک پر چل رہا تھا، کیوں کہ چلنے والوں کے لیے فٹ پاتھ کہیں نہیں رہا تھا۔

پہلے کبھی ہوگا، مگر اب اُس پر قطار سے سارے مکانات نے سرک سرک کر کتوں کی طرح اپنی تھوتھنی لا رکھی تھی۔ اب اُس جیسے ٹانگوں پر سواری کرنے والوں کو، گاڑی کی سواری کے لیے بنائی گئی سڑک پر ہی چلنا پڑتا تھا۔ مگر ہوش و حواس سے چلنا تو اس کی ذمے داری تھی ناں......!

وہ تو چلتا سڑک پر تھا اور تعمیر اپنا چھوٹا سا محل کر رہا تھا۔

خیر؛ اسے پھر بے چینی سی ہونے لگی۔ وہ دوبارہ اُس خوش رنگ منظر کو اپنے تخیل کی بساط پر بچھانا چاہتا تھا۔

اور سڑک پر چلتے چلتے اگلے ہی لمحے وہ پھر اپنے پلاٹ پر کھڑا تھا۔

بنیادیں، تہ خانہ، اوپر دو منزلہ مکان، بڑا سا صاف ستھرا خوش جمال غسل خانہ۔

''مگر نصف حصہ آنگن کے لیے بھی تو خالی چھوڑنا ہے!'' اُس نے سوچا۔ ''جہاں رنگ برنگے دلکش پودے ہوں، کڑکڑاتی مرغیاں ہوں، پھر بچوں کے کھیلنے کے لیے یہ بڑا سا صحن ہو، جہاں دو چار درخت ہوں اور ان پر جھولے ہوں۔''

اور پھر دن گزرتے چلے گئے۔

اُس کے تخیل کی پرواز بہت بلند تھی۔ وہ چاہتا تو عالم میں انتخاب ایک شیش محل اِس ڈھائی سو گز کے پلاٹ پر لا کھڑا کرتا، مگر وہ حقیقت کی طاقت سے بھی واقف تھا۔ اسے اپنی اوقات معلوم تھی، اِس لیے وہ تخیل میں بھی اپنے ارمانوں کا محل پانچ چھے لاکھ کے اندر اندر رکھ کر ہی تعمیر کرتا تھا۔

جب کہ اُس کے پڑوسیوں نے بہت تیزی سے شیش محل کھڑے کرلیے تھے۔

ہفتوں وہ جلتا رہا، کلستا رہا۔

اس کا سکون ختم ہوگیا تھا۔

پانچ سال تک بچوں کا پیٹ کاٹ کر قسطیں بھرو تب زمین کا ایک ٹکڑا نام ہوگا، پھر نجانے کیا کیا جتن کر کے اسے بناؤ، سنوارو۔

پھر بھی محلے میں سب سے کم تر گھر......!

پانچ سال کے بعد مزید دس سال چاہییں ایک پلاٹ پر گھر بنانے کو۔

تو پھر اُس کے پاس اِس گھر میں رہنے، دن گزارنے کو کتنا وقت بچے گا؟

مزید چار پانچ یا شاید دس سال۔

پھر ڈھائی سو گز کے پلاٹ سے آنا تو ڈھائی گز کے پلاٹ ہی میں ہے۔

تو کیوں نہ اُس ڈھائی گز کے پلاٹ کے نقشے، اُس کی سجاوٹ میں یہ دس پندرہ برس گزار دیے جائیں......!؟

اُس نے سوچا اور آنکھ سے ایک آنسو نکل کر 'مٹی' میں مل گیا۔

☆☆☆

مدیرِ اعلیٰ: مفتی فیصل احمد
مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان
مدیرِ مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے، دو میگزین 25000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ایک نہایت منفرد خیال پر بے حد خوبصورت کہانی

انتظار

بنت اختر۔ ڈیرہ غازی خان

ایک، دو، تین، چار......!

اوراب یہ پانچویں بار تھا۔قدموں کی نزدیک آتی چاپ اس کی خوشی میں اضافہ کررہی تھی مگر پھر یہ چاپ بھی رکے بغیر دور ہوتی چلی گئی اوراس کی ساری خوشی ماند پڑ گئی۔

وہ کئی دنوں سے انتظار میں تھی۔تین یا شاید پانچ دن بلکہ اب تو اسے یہ انتظار اپنی پوری زندگی پر محیط لگتا تھا۔وہ سراپا انتظار تھی اور آج اس نے جانا تھا کہ انتظار کس قدر اذیت ناک چیز ہے اور خدانخواستہ اگر یہ لاحاصل بھی ہو تو......!

اس سے آگے اس سے سوچا نہ گیا اور اس نے کرب سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

اس کے گھر والے اسے یہاں بھیجنے پر بہت دُکھی تھے مگر بھیجنا بھی لازم تھا۔ویسے تو اسے یہاں کوئی زیادہ مسئلہ نہیں تھا مگر اکیلا پن اور خاص طور پر اندھیرے سے وہ بچپن ہی سے خائف تھی۔اب تو بس اس کی یہی خواہش تھی کہ اس کا یہاں اندھیرے سے واسطہ نہ پڑے مگر اس سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے 'سامان' میں روشنی کرنے والا سامان بہت کم لائی تھی۔شروع شروع میں ابو، بھائی، چاچو سب جلدی جلدی اُس کے پاس آتے اور مختلف اقسام کی خوب صورت روشنیوں والے تحفے اس کے لیے لاتے مگر آہستہ آہستہ کام کی مصروفیات نے اُن کی توجہ بانٹ لی یا شاید وہ سمجھنے لگے تھے کہ اکیلے پن کی عادت سے سمجھوتا کر لینے کے ساتھ ساتھ اس نے اندھیرے سے بھی سمجھوتا کرلیا ہوگا یا شاید وہ روشنی کے تحفے جو اسے وہ وقتاً فوقتاً دے جاتے تھے ان کو دیر پا سمجھ کر مطمئن ہو بیٹھے تھے اور وہ......! وہ تنہائی تو جیسے تیسے برداشت کررہی تھی مگر اندھیرا آج بھی اُس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

گھر والوں سے مایوس ہوکر اب اُس نے آنے جانے والوں اور آس پڑوس والوں کے رشتے داروں سے آس لگالی تھی۔وہ زبان سے تو سوال نہیں کرتی تھی مگر اسے لگتا تھا کہ اس کا پورا وجود ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گیا ہے۔

پھر ہوتا یہ کہ کچھ خدا ترس لوگ اس کی مسافری، غریب الوطنی اور بے بسی پر رحم کھا کر اسے کچھ روشنی کے سامان دے جاتے، لیکن کچھ یونہی دیکھ کر گزر جاتے تھے۔

آج بھی اس نے شمع کو دیکھا تو وہ ختم ہونے کے بس قریب ہی تھی۔تیز روشنی بہت جلد ہلکی پھر اندھیرے اور اس کے بعد گھپ اندھیرے میں تبدیل ہوجاتی تھی۔

''نہیں......'' وہ چلائی۔''اے گزرنے والو! خدارا کچھ گزرنے کے آداب کا خیال کرو۔''

قدموں کی چاپ تو بہت سنائی دیتی تھی، مگر اس کے پاس رک کر اُس کا حال پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔

☆......☆

''آسیہ! کیا بات ہے بیٹی!؟''

کافی دیر سے ایک ہی حالت میں بیٹھی دور خلاؤں میں گھورتی آسیہ سے امی جان نے سوال کیا؟

''پریشان ہو، کوئی مسئلہ ہے، کچھ چاہیے بیٹا؟'' امی نے اس کا کندھا ہلایا۔

''آں ہاں! کچھ نہیں امی......وہ بس یونہی۔''

سوچوں میں گم اس نے اپنی امی کی طرف دیکھا اور پھر جیسے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔پہلے پہل دو آنسو اس کی آنکھوں سے ڈھلک کر گالوں پر راستہ بنا گئے پھر اِس رستے میں آنسوؤں کے قافلے ہی چل پڑے، گویا آنسوؤں کی لڑی ٹوٹ پڑی ہو اور وہ امی جان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''ارے ارے کیا ہوا میری جان! کچھ بتاؤ تو سہی، سب ٹھیک تو ہے؟''

امی جان بری طرح گھبرا گئی تھیں۔

''امی! آپ تو جانتی ہیں نا کہ مریم ساجد میری کس قدر پسندیدہ لکھاری تھیں اور

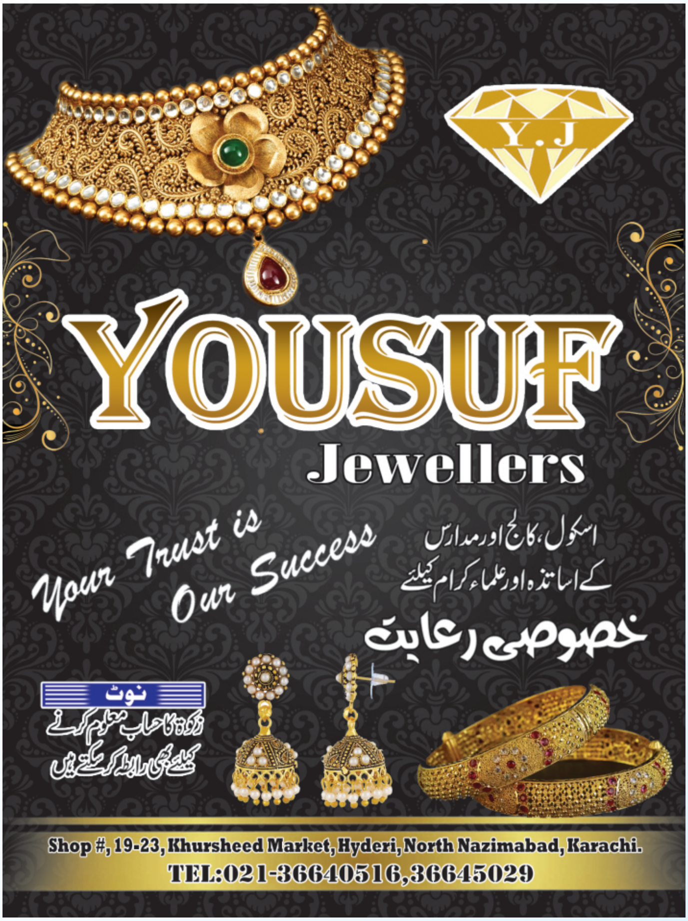

آج......!''

کہتے کہتے اس کا گلا رُندھ گیا اور اُس نے ہاتھ میں پکڑا رسالہ امی کی طرف بڑھا دیا، جس کے اداریے میں مریم ساجد کے انتقال کی خبر دے کر مدیر صاحب نے قارئین سے ایصالِ ثواب کی درخواست کی تھی۔

امی نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور حسبِ عادت فوراً ہی زیرلب کچھ پڑھنے لگیں۔

آسیہ امی کی اس عادت سے خوب واقف تھی۔ خواہ کوئی جاننے والا ہو یا انجان، مسجد میں اعلان ہوتا یا کہیں کسی کے انتقال کی خبر پڑھنے کو ملتی، امی فوراً ہر کام چھوڑ کر 'میت' کو ایصالِ ثواب کرتیں اور رشتے داروں کی تو بات ہی اور تھی۔ رشتے داروں میں کوئی انتقال کر جاتا تو امی کی بڑی خواہش ہوتی کہ میت کے قبر تک پہنچنے سے پہلے وہ ڈھیروں ایصالِ ثواب کر کے اُس کی قبر کو روشن اور منور کرنے کا سبب بن جائیں، لہٰذا اب بھی انھوں نے کچھ پڑھا اور تھوڑی ہی دیر میں اُس سے گویا ہوئیں:

''میری اچھی بیٹی! جانا تو سبھی کو ایک دن ہوتا ہے مگر پیچھے رہ جانے والوں کو چاہیے کہ افسردگی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے جانے والے سے اپنی محبت اور تعلق کے حساب سے ڈھیروں تحائف اسے جلد از جلد بھیجیں۔ بیٹا! آہستہ آہستہ بھول تو سب جاتے ہیں، اپنے گھر والے اپنے ماں جائے بھی، مگر وہ جو جانے والے ہوتے ہیں ناں، اُن کی یادداشت نجانے کیسے اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو نہیں بھول پاتے۔

یہی وقت کہ جب غم تازہ ہوتا ہے بہت قیمتی ہوتا ہے، کیونکہ افسردگی اور غم میں اِس وقت جس جوش اور جذبے سے ہم جانے والوں کو ڈھیروں ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں وہ بعد میں ممکن نہیں ہو پاتا، کیونکہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے اور وہ سب بھلا دیتا ہے۔ پھر بہت قریبی رشتے دار بھی محض رسم کے طور پر سال کے سال ایک دن سوگ کا منا کر مطمئن ہو بیٹھتے ہیں، اور شیطان ہمارا سدا کا دشمن بخوبی جانتا ہے کہ بعد میں تو سب نے خود ہی بھلا دینا ہے، سو اس قیمتی وقت کو بھی افسردگی، رونے پیٹنے اور مرنے والے کی پچھلی باتیں دہرانے کے لایعنی کاموں میں مشغول کر دو، لیکن بیٹا! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ اٹھو اور اسی غم کی حالت میں اپنی پیاری لکھاری بہن کے لیے جتنا ایصال ثواب کر سکتی ہو کرو، اسے جتنا تحائف اور کرنیں بھیج سکتی ہو، پوری کوشش کر کے بھیجو۔ دیکھنا اس طرح کرنے سے تمھارا غم بھی کم ہوگا اور ساتھ ساتھ تمھیں اپنی آخرت کی فکر بھی پیدا ہوگی۔ ورنہ یہ مایوسی، افسردگی تو خدا سے شکوہ اور آگے جا کر نعوذ باللہ خدا پر اعتراض تک بھی پہنچا دیتے ہیں کہ ہائے اللہ نے اسی کو کیوں اٹھا لیا۔ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی اللہ کو۔

اور یوں انجانے میں ایمان بھی ہاتھ سے چلا جاتا ہے اور ستم در ستم اس قیمتی متاع کے جانے کی خبر بھی لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہو پاتی۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے آمین! چلو میری اچھی بیٹی! جیسا کہا ہے ویسا کرو۔''

امی اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆

اُس کے چھوٹے سے گھر میں روشن شمع کی لو ٹمٹمانے لگی تھی، گویا کسی لمحے بجھا ہی چاہتی ہے۔

وہ سراسیمہ ہو بے ساختہ باہر بھاگنے کے لیے اٹھی مگر اس کے بدن نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے بہتیرے ہاتھ پاؤں چلائے مگر کچھ حاصل نہ ہوا، آخر بے بسی سے وہ رونے لگی۔

تھک ہار کر وہ یاسیت سے بجھتی ہوئی شمع کو دیکھنے لگی۔

شمع کی لو ایک دم تیز ہوئی اور پھر بجھ گئی۔

اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اندھیرا تھا......گھپ اندھیرا......!

وہ سوچنے لگی کہ اس کے گھر والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ وہ کس قدر مصیبت کا شکار ہے؟ کیونکہ وہ تو اپنے تئیں اسے گھر سے بھی اچھی اور پر آسائش جگہ بھیج چکے تھے مگر ان کی بھی کیا غلطی، انھیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کا 'بینک بیلنس' اس قدر کم ہوگا کہ وہ اپنی چھوٹی سی کٹیا میں روشنی بھی نہ کر سکے گی۔

اچانک کچھ شور سن کر وہ خیالات کی دنیا سے نکلی۔

''یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' اس نے کان لگانے کی کوشش کی، اور پھر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

اپنی سوچوں میں گم، حسرتوں میں گھری وہ غور ہی نہ کر پائی تھی کہ اس کے ساتھ والا گھر آباد ہو رہا ہے۔ آنے والے کے عزیز و اقارب بڑے تزک و احتشام سے اسے اس کے گھر چھوڑنے آئے تھے۔

اس محلے میں کوئی نیا پڑوسی آتا تھا تو اس کے ساتھ ساتھ آس پاس والوں کی بھی قسمت تھوڑی دیر کے لیے جاگ جاتی تھی، وہ سب جو اندھیرے سے پریشان ہوتے، نئے آنے والے کے اہلِ خانہ کا جوشِ محبت اپنے لاڈلے کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے بھی تھوڑی بہت روشنی کا بندوبست کر جاتا۔

وہ سراپا مشکور تھی، لیکن کبھی کبھی ایک ہوک سی سینے میں اٹھتی کہ کاش کوئی مستقل ذریعہ ہو جاتا روشنی کا تو یہ روز روز کا اندھیرے کا دھڑکا نہ لگا رہتا، مگر اب کیا ہوسکتا تھا؟

یہ عارضی خوشی بھی غنیمت تھی، جس کے ختم ہونے کے بعد اسے پھر کسی کی نظرِ کرم کا انتظار کرنا ہوتا تھا۔

انتظار! جو بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

☆......☆

لو چلا...... میں چلا

نجمہ ثاقب

سروقامت چلا
عالی ہمت چلا
ہاتھ میں سبز بارود (زیتون) اٹھائے ہوئے
دوش پر نعش اپنی......جمائے ہوئے
لو چلا......میں چلا
میں چلا......میں چلا
دل مرا......چاند کی سرخ رو ٹکڑیاں
دل مرا......خوشبوؤں سے لدا گلستاں
اِس میں ریحان و عنبر......تبسم کناں
اِس میں جھڑ بیریوں کا......انوکھا جہاں
لب مرے......جیسے امرت کی بارش ہوئی
قاش بھر آسمانوں سے......بارش ہوئی
گاہے آتش بجاں......گاہے الفت ہوئی
اور میں اپنے حصے کی شمع جلا
لو چلا......میں چلا
میں چلا......میں چلا

فلسطینی شاعر سمیح القاسم کے قصیدے ''منتصب القامہ امشی'' سے خوشہ چینی

☆☆☆

وہ خوشی خوشی جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آج نئے آنے والے پڑوسیوں سے ملاقات تھی۔ وہ اور اس کے ارد گرد ہر طرف چہل پہل تھی۔ سب ہی ملاقات کی تیاریوں میں تھے۔

اس دور دراز مگر پرسکون جگہ پر نئے آنے والوں سے ملاقات کو سب یونہی بے تاب رہتے تھے۔

آج کے دن پانچ چھے نئے گھر بنے تھے۔ سب سے تعارف ہوا۔ ان میں کچھ تو بہت روشن چمکیلے چہرے تھے تو کچھ پژمردہ نظر آتے تھے۔

اس اثنا میں اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی۔

''ارے!'' وہ خوشی سے اچھل پڑی اور سیدھی اس کے گلے جا لگی۔

وہ اس کی عزیز از جان سہیلی تھی۔ اسکول، کالج کی سہیلی۔

''تو گویا اُس کی باری بھی آ گئی تھی......!''

اس نے دیکھا، سہیلی بہت مطمئن اور خوش نظر آتی تھی۔ ایک سرشاری سی اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

''تمھیں پتا ہے؟ یہاں روشنی کا مناسب انتظام نہیں سب کو اپنا بندوبست کر کے آنا پڑتا ہے۔'' اُس نے دھیرے سے اسے آنے والے وقت سے خبردار کرنا شروع کیا۔

''فکر نہ کرو۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ کھلکھلائی۔ ''سب انتظام ہے اللہ کے کرم سے اور شاید مستقل انتظام......! چلو ایسا کرو کل تم میرے گھر آنا۔''

اُس نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی اور پھر سب اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

☆......☆

مریم ساجد کی وفات کو تقریباً ایک ہفتہ ہو چلا تھا اور امی نے ٹھیک ہی کہا تھا، آسیہ اب کافی سنبھل گئی تھی۔ امی کی نصیحت پر ہمہ وقت اس نے زیر لب کچھ پڑھنے کی عادت بنا لی تھی۔ سارا دن وہ پڑھتی رہتی اور شام کو سب اکٹھا ایصال ثواب کر دیتی مگر اب وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا مسلسل مریم کی طرف رہنے والا دھیان اب ہٹنے لگا تھا۔

نہیں نہیں! بھول تو سب جاتے ہیں مگر میں، ہاں میں ذرا دیر سے بھولوں گی آپ کو۔''

اس نے دل ہی دل میں مرحومہ کو مخاطب کیا۔

☆......☆

اپنی سہیلی کا گھر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

جگمگاتی روشنیوں نے اس گھر کو گویا بقعہ نور بنا رکھا تھا۔ گھر کی ٹھنڈی مہکتی فضا میں کچھ ایسی راحت اور سکون رچا بسا تھا کہ اس کی تشنہ روح جھوم اٹھی۔

ایک طرف نہایت حسین تحفوں کے انبار لگے تھے۔

وہ لپک کر اُن کے پاس پہنچی اور ننھی غریب بچی کی طرح ندیدے انداز میں انھیں کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

''واہ بھئی واہ، ذرا گنیں تو سہی، یہ ہیں کتنے؟''

وہ گننے لگی: ''ایک، دو، تین......''

اور مریم نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تھک جاؤ گی! یہ لاکھوں میں ہیں۔''

''لاکھوں میں......؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''یہ اتنے سارے تم سے محبت کرنے والے کون ہیں؟ کیا تمھارے دوست؟ تم نے مجھے کبھی خبر ہی نہیں ہونے دی مریم! میں تو سمجھتی تھی کہ ایک میں ہی تمھاری گہری سہیلی ہوں اور بس۔ تم تو کسی سے زیادہ بات بھی نہیں کرتی تھیں، اسکول میں نہ کالج میں پھر یہ سب......! صرف دو سال ہی تو ہوئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے، اور اتنے گہرے تعلق بنا لیے تم نے......؟''

وہ کہتی چلی گئی۔

''ارے نہیں، یہ سب تو میرے قارئین ہیں۔''

اُس کے چہرے پر ایک الوہی سی چمک تھی یہ کہتے ہوئے۔

''تمھیں یاد ہے نا! مجھے کتنا شوق تھا کہ میں کچھ لکھ سکتی اور وہ دن جب میں نے تمھاری کاپی میں تمھاری لکھی ہوئی ایک تحریر پڑھ لی تھی تو مجھے لگا تھا کہ تم بہت اچھا لکھ سکتی ہو، اور میں نے تمھاری بہت منتیں بھی کی تھیں مگر تم، تمھیں تو یہ سب وقت کا ضیاع لگتا تھا یا پھر تم نے دوسرے کم تر درجے کے کاموں کے لیے خود کو اِس قدر مصروف کر رکھا تھا کہ اپنی اس شاندار خداداد صلاحیت کا کبھی فائدہ ہی نہ اٹھایا۔''

مریم ساجد نے اسے یاد دلایا۔

اور اُس کے ذہن میں یکلخت اپنی وہ ساری ادھوری کہانیاں اور خیالات گھوم گئے، جنھیں وہ یاد آنے پر لکھ تو لیتی تھی مگر کبھی وقت نکال کر انھیں ایک تحریر کی صورت میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

''تم نہیں مانیں تو میں لکھتی رہی۔ لکھنا تو تھوڑا بہت مجھے بھی آتا تھا مگر تم زیادہ اچھا لکھتی تھیں۔'' مریم سہج سہج کے بول رہی تھی۔

''جلد ہی مجھ پر لکھنے کی دُھن سوار ہو گئی، وہ بھی اپنی واہ واہ کی تمنا کیے بغیر، کیونکہ مجھے علم تھا کہ مجھے جلد یا بدیر بالآخر یہاں آنا ہے اور ہاں مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرمندگی نہیں کہ دراصل مجھے اِن تحفوں کا لالچ ہی لکھنے پر اکساتا رہا اور دیکھو تو یہاں پر تحفے ہماری کس قدر ضرورت ہیں؟ بس اللہ کا کرم شامل حال رہا ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔''

مریم نے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن میری عزیز سہیلی! میں بے بس ہوں کہ اُن میں سے کوئی ایک تحفہ بھی اپنی مرضی سے تمھیں نہیں دے سکتی۔''

وہ جانتی تھی کہ مریم ٹھیک کہہ رہی ہے، سو وہ چپ چاپ واپس چلی آئی، اور اسے یاد آنے لگا کہ اس کی بھی کتنی تحریریں ایسی تھیں جو بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھا سکتی تھیں، جو کوئی اچھی بات معاشرے میں پھیلا سکتی تھیں، جو برائی سے روکنے کا باعث بن سکتی تھیں، کتنے مرکزی خیال تھے جو ایک ڈائری میں تحریر تھے اور اس نے اُن کی ناقدری کی تھی اور انھیں جوں کا توں اٹھا کر بڑی لاپروائی سے مریم کو دے دیا تھا کہ تم ہی لکھو اُن پر، مجھ سے فالتو میں نہیں سر کھپایا جاتا...... کاش میں ایسا نہ کرتی، اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صلاحیت دی تھی، میں اس کی ناقدری نہیں کرتی، اسے اپنے ہمیشہ کے فائدے کے لیے استعمال کر لیتی تو آج............!''

اسے آج اتنا پچھتاوا ہو رہا تھا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

☆......☆

''ایک، دو، آج پورے چھے سال ہونے کو آئے ہیں مگر......!''

اُس نے مریم کے گھر کی طرف دیکھا۔

''مگر مریم کے گھر کی رونقیں ماند نہیں پڑیں، کیونکہ وہ اپنے ساتھ روشنی کا مستقل انتظام کر لائی تھی۔''

مریم ساجد کی کئی تحریروں نے کتنی بھٹکی ہوئی روحوں کو راہِ راست پر لا ڈالا تھا اور اُن کا راستی کی طرف پڑتا ہر قدم مریم کے گھر کی روشنی اور تابناکی کو اور بڑھاوا دیتا تھا۔

☆☆☆

ام محمد سعد۔ چشتیاں

برسوں بعد!

ایک لڑکی تھی...... ۲۰۰۹ء سے پہلے، وہ کبھی کبھار یونہی سوچا کرتی کہ کیا وہ 'خواتین کا اسلام' اور 'بچوں کا اسلام' پڑھے بنا بھی رہ سکتی ہے؟

اور یہ تصور ہی اسے بہت عجیب لگتا۔ ہفتہ بھر رسالے کا انتظار کرنا، پھر ملتے ہی جھٹ پٹ پڑھ ڈالنا، پڑھ کر ساتھیوں کے ساتھ مل کر تبصرہ کرنا، تحریریں لکھنا، لکھ کر باجی اور امی جان (آہ! تب امی جان حیات تھیں رحمہا اللہ) کو سنانا، ابو جان یا بھائیوں کے ذریعے ڈاک بھجوانا اور اُن کی اشاعت کا انتظار کرنا، پھر شائع ہوجانے پر پھولے نہ سمانا......!

اس موقع پر جامعہ کی ساتھیوں کی خوشی بھی دیدنی ہوا کرتی۔ محترم اساتذۂ کرام کے ستائشی کلمات سیروں خون بڑھا دیا کرتے۔

عملی زندگی میں قدم رکھا تو شاید پہلا سبق یہی سیکھا کہ بیشتر عادتیں وقت کے ساتھ چھوٹ جایا کرتی ہیں یا چھوڑنا پڑتی ہی، ں سو کچھ عادتیں چھوٹ گئیں کچھ رابطے ٹوٹ گئے اور رفتہ رفتہ لکھنے کی عادت ڈائری تک محدود ہوئی، پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھی ختم ہوا۔ اب کبھی کسی مہربان ہستی کے استفسار پر کہ 'کیا کچھ نیا لکھا؟'

پیا دیس سدھارا تو باوجود کوشش کے ایک طویل عرصہ اپنے پسندیدہ رسالوں تک رسائی ممکن نہ رہی۔ کچھ عرصہ چند عزیز تلمیذات رسالے بھیجتی رہیں۔ میری الماری کا ایک طاقچہ ابھی بھی اِن سالہا سال پرانے شماروں کے لیے مختص ہے اور میری بیٹی کے تکیے کے نیچے اب بھی صبح دَم وہ شمارے ملتے ہیں جنھیں پڑھتے ہوئے وہ رات کو سو جاتی ہے۔

اور اب ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد جب موبائل پر ہی سہی دوبارہ 'خواتین کا اسلام' اور 'بچوں کا اسلام' پڑھنے کو ملے تو بنت صفدر علی سے ام محمد سعد تک کا سفر طے کرتے بہت کچھ بدل گیا۔ یوں جیسے کوئی سو سال بعد دوبارہ جی اٹھے تو دنیا اور دنیا کے باسی، سب بدلا ہوا پائے۔ محترم اشتیاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات، مولانا اسماعیل ریحان اور مولانا محمد احمد حافظ کی عدم موجودگی، مناجیہ جبیں، م بنت احمد قریشی، بنت مفتی عبدالرؤف سکھروی، نادیہ یمنیٰ عثمانی جیسے مانوس لکھاری ندارد، سین تاج، گلشن فاطمہ، کلثوم رشید، فرحت کلثوم، شین چندا بنت احمد، حیا بنت حجاب، بنت محمد حسین اور دیگر کئی شناسا ناموں کی کمی محسوس ہوئی تو احساس ہوا کہ حوادثِ زمانہ نے ہمیں ہی متاثر نہیں کیا بلکہ یہ ایک فطری سفر ہے کہ کچھ لوگ اپنی منزل پر پہنچ کر قافلے سے جدا ہوجاتے ہیں، کچھ نئے مسافر قافلے میں آجاتے ہیں اور قافلہ چلتا رہتا ہے۔ ویسے یہ بھی بعید نہیں کہ یہ تبدیلئ کنیت کی کارسازی ہو۔ شروع میں لگا اب سب کچھ نامانوس لگے گا لیکن جلد ہی یہ غلط فہمی ہوا ہوگئی۔ الحمدللہ وہ انسیت ابھی بھی برقرار ہے۔ نئی ادارت، نئے لکھاری ہیں مگر سب اپنے اپنے ہی لگتے ہیں۔ بس یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہماری جگہ کہاں ہوگی؟ کم و بیش چودہ برس کے طویل سکوت کے بعد اب خود کو نئی قاریات میں شمار کریں یا بہت...... پرانی؟ چلیں ایسا کرتے ہیں آپ اس محفل میں ذرا ساتھ ساتھ ہوجایئے اور تھوڑی جگہ ہمیں بھی دیجیے گا۔

کیا خیال ہے؟ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟

ج: بزمِ خواتین کا اسلام میں ایک بار پھر خوش آمدید۔

آپ شاید بالکل ہی ابتدائی برسوں کو یاد کر رہی ہیں، ورنہ اِن دنوں لکھنے والی اکثر لکھاری بہنیں نئی نہیں ہیں۔ نیز ادارت بھی نئی نہیں ہے۔ ہمیں یاد ہے، شمارہ نمبر ۱۹۰ تھا جب ہم شریکِ سفر ہوئے، پھر ۲۰۱۲ میں شمارہ ۵۰۶ سے ادارت کی ذمے داری شروع ہوئی تو آج آپ کے ہاتھ میں شمارہ ۱۰۷۰ ہے۔ اسی طرح ان دنوں لکھنے والی اکثر بہنیں بہت پہلے ہی سے لکھ رہی ہیں، ہاں البتہ کچھ بہنیں ساجدہ غلام محمد، فرزانہ رباب، اہلیہ راشد اقبال، قرات گلستان اور سارہ الیاس نے مصروفیات کی وجہ سے لکھنا کچھ کم کردیا ہے۔ یہ بہنیں سال میں دو تین خاص مواقع ہی پر لکھ پاتی ہیں۔ ان تمام ناموں کو یکجا دیکھنا ہو تو آپ پچھلے برس آنے والا خواتین کا اسلام کا سب سے ضخیم شمارہ یعنی ہزارواں شمارہ بعنوان ''الف نمبر'' دیکھیے۔ ویسے یہ ایک فطری بات ہے۔ کسی وقت زیادہ لکھنے والے کم لکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کی لگائی کچھ نئی ذمے داریاں انھیں نبھانی ہوتی ہیں، اُن کی چھوڑی خالی جگہ اللہ تعالیٰ اپنی کچھ دوسری بندیوں کی ذمے داری لگا کر پُر کردیتے ہیں۔ یونہی قافلہ آگے چلتا رہتا ہے۔ کل ہم بھی نہ ہوں گے نہ یہ لکھاری بہنیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی خیر کے یہ سلسلے کچھ نئے مشک بار نفوس کے دَم سے چلتے رہیں گے۔ ☆☆☆

1987ء سے خدمت میں مصروف

پُھلبھری، برص

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جِلدی بیماریوں کا مؤثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE
MOST PROGRESSIVE
TREATMENT

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

ایوارڈ یافتہ' ممتاز معالج
اقدس زیدی
اجمل زیدی کے صاحبزادے
(ماہرِ برص)

کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

کراچی قیام	1 مارچ تا 10 مارچ، 1 جولائی تا 10 جولائی، 1 نومبر تا 10 نومبر فارچون سنٹر آفس نمبر 706 ساتویں منزل شارع فیصل نرسری بالمقابل K.F.C کراچی فون: 69-7012068(021) موبائل: 8566188(0300)	ملتان قیام	12 مارچ تا 17 مارچ، 12 جولائی تا 17 جولائی، 12 نومبر تا 17 نومبر ہوٹل سلور سینڈ، ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل، ملتان فون: 62-4518061(061) موبائل 8566188(0300)
لاہور قیام	11 فروری تا 20 فروری، 11 جون تا 20 جون، 11 اکتوبر تا 20 اکتوبر مدینہ ٹاور، آفس نمبر 512 پانچویں منزل، مسلم ٹاؤن موڑ، فیروز پور روڈ، بالمقابل جامعہ اشرفیہ لاہور 0300-8566188	اسلام آباد مستقل پتہ	25 مارچ تا 25 مئی، 25 جولائی تا 25 ستمبر، 25 نومبر تا 25 جنوری مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 تعلیمی چوک (سریا چوک) اسلام آباد موبائل: 8566188(0300)

leucodermatreatment@outlook.com

بے مہر محبوبہ ۱

حضرت مولانا انظر شاہ کاشمیری، حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند، دارالعلوم دیوبند وقف کے شیخ الحدیث، صاحبِ طرز ادیب تھے۔ ۲۰۰۸ میں آپ کی وفات ہوئی۔ درج ذیل تعزیتی مضمون آپ نے اپنی باوفا اہلیہ مرحومہ کی وفات پر لکھا تھا جو قاریات ''خواتین کا اسلام'' کی نذر کیا جارہا ہے!

تیری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تُو نہ توڑ سکتی اگر استوار ہوتا

انسان کی زندگی میں بہت سے خوشی کے مواقع آتے ہیں اور ایسے ہی رنج والم کے بھی، لیکن شادی کا تو تصور بھی عجیب خوش کن ہے، جاں فزا اور راحت رساں......!

آدمی شباب میں قدم رکھتا ہے اور گھر کے بڑے اُس کی شادی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو کیسی جان میں جان آتی ہے؟ اُن کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور سنی اَن سنی کی کیفیت اپنے پر ظاہر کرتا ہے لیکن دل میں آرزوئیں کروٹیں لیتی ہیں، تمنائیں مچلتی ہیں۔

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

منگنی ہوتی ہے تو اور بھی مسرتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ شادی کی تاریخ طے ہوتی ہے تو پھر کیا ہی کہنا، پھر تو راتیں اختر شماری میں اور ایک ایک دن پہاڑ کی طرح گزرتا ہے۔

خدا خدا کرکے وہ دن آجاتا ہے جب عروسی کا لباس زیب تن ہوتا ہے تو ایک سہما سہما سا خوف یہ دامن گیر ہوتا ہے کہ نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کا مرحلہ کس طرح طے ہوگا؟ یہ تصور بھی باحیا اور حساس لوگوں کے لیے جاں گسل ہوتا ہے۔

خیر پھر کیا ہوتا ہے، کچھ نہ پوچھیے۔ بہت زمانہ ہوا، ایک لطیفہ اخبارات میں نظر سے گزرا تھا حسب حال، مطابق واقعہ، وہ یہ کہ کسی گھر میں شادی ہورہی تھی۔ تقریب کے ہنگامے، شادی کے چرچے، مسرتوں کی بارش، فرحتوں کا جہانِ نو، لڑکی کی رخصتی کا وقت آگیا۔ اب ماں رو رہی ہے، باپ آنسو بہا رہا، بہنیں بے قرار اور سب ہی رشتے دار واقرباء حسبِ مراتب اس نالہ وشیون میں شریک۔

دلہن کا ننھا منھا بھائی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک دولھا کو اندر بلایا گیا۔

اب نوشے میاں اندر آئے تو بڑے خوش خوش ہنستے ہوئے آئے۔

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات

- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

تابعین کے واقعات

- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

اب دلھن کے ننھے بھائی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا! یہ کیا معاملہ ہے؟ ہم سب تو رو رہے ہیں اور دولھا بھائی ہنس رہے ہیں؟

گرگ باراں دیدہ باپ نے جواب دیا:

''بیٹا! یہ ہمارا آج ہی کا دن رونے کا ہے، یہ دولھا میاں تو اب عمر بھر روئیں گے!''

واقعہ یہ ہے کہ بعض شادیاں بجائے خانہ آبادی کے خانہ بربادی کی تمہید ہوتی ہیں، اور خصوصاً اِس دور میں جہیز کے ہنگاموں نے تو لڑکیوں کے لیے ہلاکت کا ایسا سامان پیدا کر دیا ہے جیسے مذبح میں بھیڑ بکریاں بے دریغ ذبح کی جاتی ہیں۔ بات تعصب کی نہیں لیکن چودہ سو برس پہلے صحرائے عرب سے جو ایک روحانی آواز بلند ہوئی تھی اس کی گونج ساری دنیا میں سنی گئی لیکن کچھ نے عمل کیا، کچھ نے سنی اَن سنی کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: (مفہوم) ''اس نکاح میں سب سے زیادہ برکت ہوگی جس میں اخراجات کا بوجھ کم سے کم خود پر ڈالا گیا ہو۔''

افسوس تو یہ ہے کہ اسی نبی جلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بھی اب جہیز کی لعنت میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں، بہر حال یہ باتیں بلا ارادہ قلم پر آگئیں۔

میں بچہ سے جواں ہوا اور اب جوانی سے بوڑھا۔ سر پر شفیق سایہ صرف والدہ مرحومہ کا تھا اور آگے پیچھے نکاح شادی کے معاملات طے کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مطالعے کا پرانا رسیا ہوں۔ چند موضوعات کو چھوڑ کر جس طرح کی کتاب مل جائے دیکھ ڈالتا ہوں۔ عمل کی توفیق نہ ہوئی اور نہ ہونے کی امید، خیر کسی کتاب کے مطالعہ کے دوران شیکسپیر کا یہ مقولہ نظر سے گزرا:

''شادی انسانی زندگی میں کھلنے والا ایک نیا دروازہ ہے، جس میں سوچ سمجھ کر داخل ہونا چاہیے!''

سو میری بھی تمنا یہی تھی کہ یہ دروازہ کسی بڑے باپ کے گھر کھلے، کسی بڑے باپ کی بیٹی سے شادی ہو اور ماضی چونکہ پشتم پشتم گزرا تھا سو مستقبل کی تعمیر کے سنہرے خواب دیکھتا اور اپنی عقل کے مطابق یہ فیصلہ کرتا کہ شاید سسرالی رشتے داری ہی آنے والی زندگی میں بہترین مددگار ثابت ہو۔

پھر میں ایسا سکہ تھا جس کا چلن تو ختم ہو گیا تھا لیکن بہر حال چاندی کھری تھی، یعنی والد مرحوم علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت عالی، سو طالب علمی ایک امتیاز کے ساتھ گزری تھی۔ لکھنے پڑھنے کا الٹا سیدھا قرینہ بھی آ گیا تھا۔ مضامین چھپنا تو کیا بات، بعض ماہناموں کی ادارت بھی کرتا تھا۔ دیوبند میں بھی بڑے گھرانے اور معزز خاندان تھے۔ باحیثیت خانوادے تھے بلکہ بعض باوقار گھروں سے پیش کش بھی ہوئی لیکن والدہ مرحومہ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، کچھ بڑے گھرانوں کا تجربہ کر چکی تھیں اور اب آ کر وہ یہاں رکی تھیں کہ کسی غریب بچی سے میری شادی کی جائے۔

گویا کہ اُن کے تلخ تجربات کا اور آئندہ کے لیے اقدام کا تختۂ مشق میں ہی بننے والا تھا۔ بڑی کشمکش رہی، میری والدہ مرحومہ شفقتوں کی ہمالہ بھی تھیں اور مزاج کی جرنیل بھی، نواز نے پر آئیں تو اپنا سب کچھ لٹا دیں بگڑیں تو منائیں نہ منیں۔

میں دار العلوم میں مدرس ہو چکا تھا لیکن اُن کے جلال سے ہمیشہ مرعوب رہا، پھر الحمد اللہ دینی تعلیم نے ماں باپ کا احترام بھی دل و دماغ میں جاں گزیں کر دیا تھا، انھوں نے بجنور میں ایسی لڑکی تلاش کر نکالی جو غریب نانِ شبینہ کی محتاج اور وقت گزاری کے لیے دوسروں کی دست نگر تھی۔ میں بڑا گھبرایا، تھرایا لیکن والدہ مرحومہ کے عصائے موسوی نے اِدھر اُدھر نہ ہونے دیا۔ بے تکلف عرض ہے کہ ایک دن کھانا کھاتے ہوئے اسی موضوع پر انھوں نے مجھ سے گفتگو کی تو میں نے دیوبند کے ایک بہت ہی باحیثیت گھر کی نشاندہی کی۔ انھوں نے بے تکلف لکڑی لی اور پھر اس وقت تک جس کمر پر ہمیشہ دستِ شفقت پھرتا تھا وہ لکڑی بجتی رہی تاوقتیکہ اپنی پسندیدہ جگہ کے لیے انھوں نے مجھ سے زبردستی تائید نہیں لے لی۔

(جاری ہے)

☆☆☆

عصائے موسوی کا انتظار

عاطف بیگ

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب پنجۂ فرعون سے بنی اسرائیل کو آزاد کروا کر نکلے تو رستے میں سمندر آ گیا۔

قوم نے جب یہ دیکھا کہ پیچھے فرعون کا لشکر ہے اور آگے سمندر ہے تو واویلا کرنے لگی کہ موسیٰ تو ہمیں مروانے کے لیے لے آئے، پیچھے فرعون کے لشکر ہیں، سامنے سمندر ہے، مفر کہیں بھی نہیں، اس سے تو بہتر تھا کہ ہم مصر میں فرعونیوں کی خدمت کرتے رہتے، زندہ تو رہتے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام غضب ناک ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تنہا نہ چھوڑے گا اور پھر وہ سمندر اللہ کے حکم سے عصائے موسوی کی ضرب سے شق ہو گیا اور قوم دوسری طرف اتر گئی۔

آج بھی جب سید الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی پیروکار اپنی غلام قوم کو پنجۂ غلامی سے چھڑانے کی کوشش کرتا ہے تو غلام شور کرنے لگتے ہیں کہ اُس نے تو ہمیں مروا دیا، آگے نہ کوئی منزل ہے نہ پیچھے کوئی پناہ۔ ایک بحرِ ظلمات ہے جو کہ سامنے رواں دواں ہے۔ کوئی امید نظر نہیں آتی، سو وہ الٹا انہی کو معطون کرنے لگتے ہیں جو انھیں آزادی دلوانے کا عزم کرتے ہیں۔

دیکھ لیجیے کہ شام ہو یا فلسطین یا دنیا کا کوئی بھی خطہ جب دینِ حق کے پیروکار چند جانباز کہتے ہیں کہ آؤ یہ غلامی کا حلقہ توڑ ڈالیں، اس باطل کی کیا جرات ہے کہ ہمیں غلام بنا سکے اور وہ قدم اٹھاتے ہیں تو غلام اقوام ہائے وائے چلانے لگتی ہیں کہ دیکھو دیکھو انھوں نے ہمیں مروا دیا۔ اس سے پہلے تو ہم جس حال میں تھے اسی میں اچھے تھے، باطل کی غلامی کرتے تھے، زندہ تو رہتے۔

کم ہمتو!

عصائے موسوی کی ضرب کا انتظار تو کرو، یہ بحرِ ظلمات بس ہٹنے والا ہے!

☆☆☆

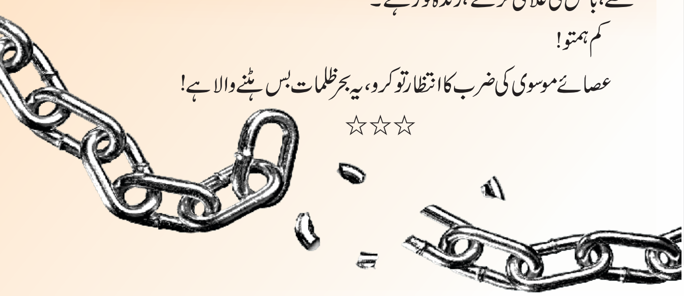

تم سے کیا کہیں، جاناں!

قانتہ رابعہ

۲

انہی چھوٹے چھوٹے مراحل سے گزر کر وہ بڑی کلاسوں میں آ گئے۔

کلاس دہم کو فیئرویل دی جا رہی تھی، جب اسٹیج پر ایک نو بالغ بچی نمودار ہوئی۔ اس نے کچھ گانوں پر رقص کی مہارت دکھائی، کچھ نامور شخصیتوں کی پیروڈی کی اور تو اور ساڑھی کا پلو مروڑتے ہوئے ایک مشہور مغنیہ کی ایسی بھرپور نقل اتاری کہ ختم ہونے پر شائقین تالیاں بجانا بھول گئے۔

بیتے سروں کی کہانی کب ختم ہوئی، کسی کو یاد نہ رہا اور جب وہ آداب، کورنش بجا لاتے ہوئے اسٹیج سے اتری تو پرنسپل، مہمان خصوصی اور شرکائے تقریب کو اس فن کی داد دینے کا خیال آیا۔ اس کے بعد تو جو تالیوں کا طوفان مچا، جو منہ گول گول کر کے سیٹیاں بجائی گئیں، لگتا تھا ہال کی چھت ہی زمین بوس ہو جائے گی۔

دیکھنے والوں میں سبحان بھی موجود تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور پیشانی پر تفکر کی لکیروں کا پورا جال بچھا ہوا تھا۔ جوان جہاں پرنسپل نے بہت دیر نو بالغ بچی کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھا۔ اس کے خداداد فن کی تعریف کی، اپنی جیب سے بطور خاص نیلا نوٹ اس کے سر پروار کے اس کے حوالے کیا۔ مہمان خصوصی نے اس کا فون نمبر لیا۔ پرنسپل صاحب اسے خود گھر چھوڑنے گئے۔

سبحان کی نظروں نے ان تمام ٹرافیوں اور شیلڈز کو ایک نظر دیکھا جو پرنسپل صاحب کا ملازم گاڑی میں رکھ رہا تھا۔

اس وقت سبحان جان بوجھ کے پیچھے رہا۔ وہ سونیا بلکہ کسی کی بھی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس کی جیب میں کرائے کی مد میں رقم موجود تھی لیکن وہ بے سوچے سمجھے پیدل ہی چل پڑا۔ لمبی مسافت کے بعد جب گھر پہنچا تو ماں دروازے ہی میں ملی۔ جونہی وہ گھر میں داخل ہوا، ماں نے تشویش سے پوچھ لیا: ”کہاں رہ گئے تھے تم؟“

سبحان اجنبیت سے ماں کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے حواسوں پر سونیا کا رقص، سونیا کی کامیڈی، سونیا کے ڈائیلاگ اور سب کا والہانہ تعریفی انداز سوار تھا۔

”آنکھیں پھاڑے کیوں دیکھ رہے ہو؟“ ثوبیہ نے اسے جھنجھوڑا۔

”کچھ نہیں، بس طبیعت خراب ہے میری۔“

اس نے ہر سوال سے پہلو بچا لیا اور اندر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ کمال ضبط سے چہرہ بھی سرخ تھا مگر ثوبیہ اسے خرابی طبیعت سمجھ کے کرید میں نہیں پڑی۔

اب سبحان، روبینہ خالہ کی طرف نہیں جاتا تھا۔ اس کی گفتگو کے موضوعات بھی یکسر بدل گئے تھے۔ ادھر ثوبیہ اپنے معمولات میں مصروف تھی۔ چھوٹے بچوں پر توجہ دینا ہوم ورک کروانا، شادی شدہ نند اور جٹھانی کے پچھلے دنوں کئی چکر لگے، بس انہی مصروفیات میں اگلا سال شروع ہو گیا۔

بڑے بچوں کے تو چھوٹے چھوٹے ٹیسٹوں پر بھی ماؤں کی جان نکلتی ہے یہ تو پھر میٹرک کے سالانہ امتحانات تھے۔ اسکول والوں نے الوداعی تقریب رکھی تھی۔ آج کل دن رات بس الوداعی پارٹی میں شرکت کے سہانے خیال تھے اور دہم کلاس۔ بطور میزبان نہم کلاس نے پچھلے سال سے بہتر پارٹی کا پلان بنایا تھا مگر افسوس یہ بہتر پارٹی سونیا کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اسے خصوصی درخواست پیش کی گئی۔ اپنی کلاس کی طرف سے شکریہ کے کلمات بھی اسی نے ادا کرنا تھے۔ سو پارٹی نہم کلاس کی طرف سے تھی لیکن اس میں جان دہم کلاس کی سونیا نے ڈالی۔ پرنسپل کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ پچھلی پارٹی پر نہم کلاس کی سونیا نے دلفریب رقص پیش کیا تھا، آج اسٹاف اور طلبہ دونوں کے پرزور اصرار پر سونیا سے وہی فرمائش کی جاتی ہے۔

سونیا کے رقص کے دوران میں کیا اسٹاف اور کیا طلبہ سبھی تصویریں لینے اور ویڈیو بنانے میں مصروف تھے۔ اور سبحان لب بھینچے، سرخ انگارہ چہرے کے ساتھ پہلی رَو میں موجود تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ آخر وہاں کیا کر رہا ہے؟

حسب سابق وہی ادائیں وہی ناز و انداز۔ سلسلہ جو شروع ہوا تو ماں کی موم بتی نے موم کی گڑیا بن کر بدن کے ہر حصے کا خراج پیش کیا۔

رقص کے شائقین نے دانتوں تلے انگلیاں داب لیں۔ ایسا لچکیلا جسم جیسے کچی ٹہنی لچکتی ہو۔ منی کی بدنامی سے شیلا کی جوانی تک پر اس نے بے مثل رقص پیش کیا۔ اس کے بعد ہوش میں کون رہتا؟ سو بہتی گنگا میں سب نے ہاتھ دھوئے، سب نے نظروں کی پیاس بجھائی، سب کے دل میں ہوس جاگی، سب نے پیمانے بھر کے ”فیض“ حاصل کیا۔ چھپ چھپ کے دیکھنے والے ایک دو ملازموں نے فقرے کسے کہ اگر اس پارٹی کی ٹکٹ بھی رکھی ہوتی تو لاکھوں کا فائدہ ہوتا، ٹکٹ لینے والے کے تو صرف ایک نظر دیکھنے سے قیمت وصول ہو جاتی۔

پچھلے سال کے برعکس اس مرتبہ سبحان خاموشی سے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ پھٹ پڑا۔

کھانا کھاتی ثوبیہ اور بچوں کے ہاتھوں سے نوالے گر گئے۔

”اللہ خیر! تم کیوں غصے کے بھوت بنے آئے ہو؟ کیا کسی بھڑ نے ڈنگ مار دیا راستے میں؟“

ثوبیہ نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا مگر اس کے چہرے پر سوائے تنفر کے کچھ نہ تھا۔

”بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟“ ثوبیہ سنجیدہ ہوئی۔

وہ ضبط کرتے ہوئے ہونٹ کاٹتا رہا پھر بغیر کچھ کہے موبائل ماں کے آگے کر دیا۔ موم کی گڑیا ناچ رہی تھی۔ اس کی کمال شاندار تصویریں اس میں موجود تھیں۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے پکڑے ہی مزید میسجز موصول ہونے کی ٹن ٹن کرتی آواز اس کے رقص کو ہزار دیے سے تصویروں کی شکل میں پیش کرتی گئی۔

”یہ...... یہ تو سو...... نیا...... ہے۔“

حیرانی سے ثوبیہ نے اپنے آپ سے کہا۔

”جی بالکل! بجا کہا آپ نے، آپ کی لاڈلی بہن کی صاحب زادی......!“

وہ پاؤں گھسیٹتا گھر سے نکل گیا۔

بہت دیر تک وہ موبائل پر تقریب کی تصاویر دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا روبینہ اس سب سے لاعلم ہے یا علم میں ہے تو خاموش ہے؟

رات تک یہی سوال ذہن میں کھد بد کرتا رہا بالآخر وہ موبائل ہاتھ میں لیے روبینہ کے ہاں چلی گئی۔

''سونیا نظر نہیں آ رہی کہیں گئی ہے؟'' ثوبیہ نے پوچھا۔

''جانا کہاں ہے امتحان کا ہوّا سر پر سوار ہے، سارا دن کمرے میں بند پڑھتی رہتی ہے، کبھی کبھار کچھ سہیلیاں بھی آ جاتی ہیں کمبائن اسٹڈی کے لیے۔''

روبینہ نے جواب دیا۔

''آج تو پارٹی بھی تھی اسکول میں، سبحان بتا رہا تھا سونیا نے بھی خوب حصہ لیا تھا۔'' ثوبیہ نے آواز کو دھیما کیا۔

''ہاں تو پرنسپل صاحب خود ساتھ آئے تھے ڈھیروں ٹرافیاں، کپ، شیلڈز لے کے، شکریہ ادا کر رہے تھے کہ بہت بریلینٹ بیٹی ہے آپ کی۔''

روبینہ کے چہرے پر ممتا کی مسکراہٹ تھی۔

''آج کل کیا ناچ گانے کو بریلینٹ ہونا کہتے ہیں؟''

ثوبیہ نے اپنے آپ کو تلخ ہونے سے بچایا۔

''ناچ گانا؟'' روبینہ نے بھنویں سکیڑ کے پوچھا۔ ''ارے وہ تو اُس نے کچھ ایکٹرسز کی کامیڈی کی تھی، کچھ گلوکاراؤں کو کاپی کیا تھا، بتا رہی تھی کہ بہت دیر تک کیپنگ ہوتی رہی تھی۔'' روبینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھو۔''

ثوبیہ نے تھیلے سے بلی نکالی اور واٹس ایپ پر اس کے رقص کی تصویریں دکھائیں۔

روبینہ نے انھیں دیکھا، کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی:

''بات یہ ہے ثوبی کہ کچھ عرصہ قبل میں نے اسے کہا تھا کہ ہماری خواہش ہے کہ تمھارا اور سبحان کا رشتہ طے کر دیں، شاید اسے یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے بہت سخت ردعمل ظاہر کیا اور انکار بھی کیا۔'' پھر ایک ٹھنڈا سانس بھر کے بولی۔ ''مجھے لگتا ہے یہ تصاویر بھی اسی لیے اس نے سبحان کو بھیج دی ہیں کہ وہ خود ہی اس رشتے سے انکاری ہو جائے۔''

ثوبیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

روبینہ نے بات جاری رکھی۔

''تم اپنے طور پر تحقیق کرو، میں بھی سونیا سے پوچھتی ہوں، مجھے لگتا ہے بات کچھ کی کچھ ہوگئی ہے۔'' اس کے لہجے میں تشویش شامل تھی۔

محض بارہ گھنٹے، صرف بارہ گھنٹوں کے بعد تحقیق کی ضرورت پڑی نہ تصدیق کی، پارٹی کی کوریج کے لیے بلائے گئے پریس فوٹوگرافر نے اپنے پیشے کا حق ادا کر دیا۔ اگلے دن کے مقامی اخبار میں پرنسپل اسٹاف سمیت سب پس منظر میں تھے بس سونیا چھائی ہوئی تھی۔ دو تین دلکش تصاویر جس میں کسی طور پر بھی وہ کسی ماڈل یا ایکٹرس سے کم نہیں لگ رہی تھی، شائع ہوئی تھیں۔

اخبار ہاتھ میں لیے ثوبیہ کو پھر فکر لاحق ہوگئی۔ اخبار تو ہر گھر میں آتا ہے، ظاہر ہے روبینہ کے ہاں بھی پہنچا ہوگا، سب نے پڑھا ہوگا، کیا مجھے اس موضوع پر روبینہ سے مزید بات کرنی چاہیے؟ دو چار منٹ کے غور و فکر کے بعد اس نے بالآخر جانے کا پروگرام بنا ہی لیا، وہ نکلنے لگی تو سبحان ٹپک پڑا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ؟''

''تمھاری خالہ کے ہاں۔'' دانستہ اس نے اخبار پیچھے کر لیا۔

''رہنے دیں، مت جائیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

وہ یہ کہہ کے ماں کو روک کے خود باہر نکل گیا۔

(جاری ہے)

مزاحیات

انتخاب: ام احمد عبداللہ

محنت:

عورتیں کتنی محنتی ہوتی ہیں، اِس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سو میں سے بارہ عورتیں قدرتی طور پر حسین ہوتی ہیں، جب کہ باقی کی اپنی محنت سے۔

ضرورت:

''میری جان کی قسم کھا کر بتائیے کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟'' بیگم صاحبہ نے بڑے ناز سے اٹھلاتے ہوئے اپنے میاں سے پوچھا۔

''پہلے تم بتاؤ تمھیں کتنی 'محبت' کی ضرورت ہے؟''

شوہر صاحب نے فوراً چوکنا ہو کر کہا۔

نو پرابلم:

ایک بے وقوف شخص کی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ جہاں رشتہ بھیجتا، اس کی کوئی نہ کوئی احمقانہ حرکت کی وجہ سے رشتہ مسترد ہو جاتا۔

ایک دن اس وہ ایک گھر میں پیغام لے کر پہنچا۔ لڑکی کی ماں نے کوائف سن کر پردے کے پیچھے سے جواب دیا: ''مگر جناب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میری بیٹی آپ سے پانچ سال بڑی ہے۔''

''نو پرابلم۔'' وہ ترنت بولا: ''میں اس سے پانچ سال بعد شادی کر لوں گا، ابھی رشتہ تو پکا کریں۔''

جواب:

ایک اعرابی (دیہاتی) کسی خلیفہ کے دسترخوان پر آیا۔ اس کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا گیا۔ اعرابی نے کھانے بڑی تیزی دکھائی۔

خلیفہ نے اعرابی سے کہا: ''میں دیکھ رہا ہوں، تم ایسے غصے سے کھا رہے ہو، جیسے بکرے کی ماں نے تمھیں سینگ مارا ہو۔''

اعرابی بولا: ''میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایسے پیار سے کھا رہے ہیں جیسے اس کی ماں نے آپ کو دودھ پلایا ہو۔''

جو کی ہی نہیں!

ایک بچی نے گھر آ کر اپنی ماں کو نہایت افسوس کے ساتھ بتایا کہ آج اسکول میں اسے اس بات پر سخت سزا ملی ہے جو اس نے کی ہی نہیں!

ماں نے برہمی سے کہا: ''یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔ میں کل ہی تمھاری پرنسپل سے بات کروں گی، مگر مجھے یہ تو بتاؤ کہ وہ کون سا کام تھا جو تم نے نہیں کیا تھا۔''

''ہوم ورک۔'' بچی نے جواب دیا۔

☆☆☆

لائبہ شیما انور

رونقِ محفل تھے جو!

بھاری قدموں گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے سیدھا اُس کمرے کا دروازہ کھولا، جہاں پورے خاندان کی رونق و رحمت ہمارے پیارے دادا جان اور دادی جان نے زندگی کے آخری ایام گزارے تھے۔

ذہن میں یکدَم وہ تمام لمحات دوڑ گئے۔ اداسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آنسو رخساروں کو تر کرنے لگے۔ ایسے میں دل کے نہاں خانوں سے دادی جان کی آواز ابھری اور میری ہچکیوں میں بکھر گئی۔

☆☆

یقین ہی نہیں آتا کہ دادی جان اور دادا جان اتنی جلد ہمیں چھوڑ کر عالم بالا کو سدھار جائیں گے۔

بروز بدھ ۲۳ فروری ۲۰۲۲ء کو دادی جان کو دل کا دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا اور ٹھیک ایک ہفتے بعد اسی رات اسی وقت دادا جان بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

دونوں ہم سب سے بہت محبت کرتے تھے۔ ہمارے مجمع العلوم الاسلامیہ کے پرچے چل رہے تھے تو بہت دعائیں کر رہے تھے۔ میری چھوٹی بہن جو آٹھویں میں تھی، رات کو عشاء کے بعد جب انھیں دودھ دینے گئی تو کہنے لگیں کہ تمھارے پرچے ابھی شروع نہیں ہوئے لیکن ابھی سے دعا کر رہی ہوں......!

اسی دن وہ میری سب سے چھوڑی اور لاڈلی پھپو سے میری امی کے ساتھ ملاقات کر کے آئی تھیں۔ تھکن چہرے سے عیاں تھی۔ ذکر اللہ کی بہت پابند تھیں۔ اول وقت میں نماز ادا کرتیں۔ اذان سنتے ہی گفتگو منقطع کر دیا کرتیں۔ جب تک تسبیحات مکمل نہ کر لیتیں، سوتی نہ تھیں۔ تہجد گزار تھیں۔ قرآن پاک کی تلاوت بہت شوق سے کرتی تھیں۔ نظر کمزور ہو جانے

پر امی جان نے بڑا قرآن پاک ہدیہ کیا تو فرطِ مسرت سے امی جان کو گلے لگا کر بوسہ دیا۔ آج بھی وہ منظر یاد آ کر آنکھیں دھندلا جاتی ہیں۔

خاندان میں بڑے پوتے کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے پر سب ہی بہت خوش تھے۔ جوش وخروش سے تیاری کر رہے تھے۔ دادی جان نے بھی ایک روز قبل کپڑے جوتے لیے تھے۔ منتظر تھیں کہ جب پرچے ختم ہوں گے تو سلائی کر دوں گی، مگر! ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔

دادا جان اور دادی جان کو امی جان کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا۔ کہتیں اُس نے میری بیٹیوں کی طرح خدمت کی ہے، اور واقعی ہم نے اپنے والدین کو خدمت میں بھر پور پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ ہم پر سلامت رکھے۔ آمین! صبح شام چہل قدمی کا اہتمام کرتیں، دس چکر لگاتیں۔ دادا جان بھی روز شام کو آواز لگاتے:

”پت! بوئے دے اگے کرسی رکھ دو۔“

اب جب شام ہوتی ہے تو گیلری سونی سونی لگتی ہے۔

دادا جان دادا جان دونوں بہت خوش مزاج تھے۔

صحت کے زمانے میں تبلیغ پر جاتے۔ کھانے پینے کے شوقین تھے۔ دونوں بزرگوں کی یوں اچانک رحلت پورے خاندان کے لیے ایک دھچکا تھا۔ دادا جان اور دادی جان کی یاد ستاتی ہے، اُن کی خوشبو آج بھی ہمارے آنگن کو مہکاتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی قبور کو نور سے بھر دے۔ اللہ آپ سے راضی ہو اور کامل مغفرت فرما کر جنت الفردوس کو آپ کا ٹھکانا بنا دے آمین۔

ایصالِ ثواب کی قارئین سے درخواست ہے۔

☆☆☆

چیڈریلا

صبیحہ عماد

آپ عنوان پڑھ کر سوچ رہی ہوں گی کہ یا اللہ یہ ’چیڈریلا‘ کیا بلا ہے۔

تو یہ کوئی بلا نہیں ہے۔ بس آپ کے دماغ کی کارستانی ہے، جب آپ کے دماغ میں ایک چیز کے دو نام ہوتے ہیں اور آپ کی زبان کو ادا ایک نام کرنا ہوتا ہے تو دماغ میں چونکہ دو نام ہوتے ہیں تو دماغ زبان کو جیسے ہی وہ نام ادا کرنے کا سگنل دیتا ہے تو وہ دونوں نام ’گڑبڑ گھٹالا‘ بن کر ایک نئے نام کی صورت میں سامنے آ جاتے ہیں۔ ایسا یقیناً آپ کے ساتھ بھی ہوا ہوگا۔ میرے ساتھ جس طرح ہوا میں پہلے وہ بتاتی ہوں۔

دراصل میرے ہاتھ میں چیز (پنیر) کا ایک بڑا بار تھا، جسے میں کاٹ کر چھوٹے ٹکڑوں میں کر کے الگ الگ تھیلیوں میں رکھ کر فریز کرنا چاہ رہی تھی۔

پاس ہی بھتیجا بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا آپ کون سی چیز (پنیر) لیتی ہیں۔ میں کہنا چاہ رہی تھی ”چیڈر“، مگر میری زبان سے نکلا چیڈریلا، کیونکہ چیز (پنیر) کے دو نام میرے دماغ میں تھے، ایک ”چیڈر“ اور ایک ”موزریلا“!

تو میرے دماغ نے دونوں ناموں کا ایک ایک حصہ اٹھا کر ایک نیا لفظ بنا دیا جو تھا چیڈریلا!!!

اب آپ کو عنوان کی وجہ تسمیہ سمجھ آ گئی ہوگی۔

اسی طرح ایک دن نہاری بنا رہی تھی۔ ایک وقت میں دو تین کام کر رہی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا، شاید میرے بیٹے نے مجھے بلایا تھا تو اچانک میرے منہ سے نکلا:

”آ رہی ہوں بھئی بگھاری کو نہار لگا رہی ہوں۔“

جبکہ کہنا چاہ رہی تھی کہ نہاری کو بگھار لگا رہی ہوں۔

دیکھا آپ نے ہمارا دماغ کیسی کیسی شرارتیں کرتا ہے۔ ایک دفعہ ایک سہیلی لفظ ”پیشانی“ بولنا چاہ رہی تھیں، مگر ان کے منہ سے نکلا ’پیتھانی‘ کیونکہ ان کے دماغ میں دو الفاظ تھے پیشانی اور ماتھا اور پھر ان کے منہ سے یہ نیا لفظ نکلا جو دونوں لفظوں کو مرکب تھا۔

جیسے کسی نے پتھر اور کنکر کو ملا کر ’پھنکر‘ بنا دیا۔ اور کبھی ایسا ہوا ہوگا کہ کوئی آپ سے پوچھے کہ کیا پکا رہی ہو؟

اور بے اختیار آپ کے منہ سے نکلے: چرغی کیونکہ دماغ نے مرغی اور چکن کو ملا کر ایک چھوٹی سی شرارت کر دی تھی۔

کبھی طمانچہ اور چانٹا مل کر طمانٹا بن سکتا ہے۔ مچھلی اور فش مل کر مشلی بن سکتی ہے۔ انڈہ اور ایگ مل کر ایگڈا بن سکتا ہے۔

چلیں پھر آپ بتائیں، آپ کے دماغ نے اس ضمن میں کیا کیا شرارتیں کیں؟

☆☆☆

وہ آواز نہیں آتی

ام مصعب

حضرت ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اللہ پاک نے طویل بیماری سے شفائے کاملہ عطا کی تو اور بھی بہت کچھ نوازا۔

کسی نے حضرت سے پوچھا کہ بیماری کے دن اچھے تھے یا اب؟

آپ نے فرمایا کہ بیماری کے، کیونکہ جب میں بیمار تھا تو صبح کے وقت مجھ سے پوچھا جاتا: ”ایوب کیسے ہو؟“ اور میں رات تک اس خیریت پوچھنے پر سرشار رہتا اور جب رات ہوتی تھی تو پھر رب تعالیٰ پوچھتے: ”ایوب کیسے ہو؟“ تو میں اس سرشاری میں صبح کر دیتا۔ اب سب کچھ بہت اچھا ہے لیکن اب وہ آواز نہیں ہے۔

شادی سے پہلے جب میں کپڑے دھونے کے لیے مشین لگاتی تو والد صاحب برابر میرا ہاتھ بٹاتے۔ کپڑے دھلنے کے بعد کپڑوں کی بالٹی اوپر لے جا کر رکھتے اور پھیلا بھی دیتے۔ نہ صرف یہ بلکہ کام مکمل ہو جاتا تو دو ابلے انڈے اور ایک کافی کا بڑا کپ میرے لیے لے آتے اور ہر تھوڑی دیر بعد ایک ہی جملہ کہتے: ”آج تو میرا بیٹا بہت تھک گیا ہے۔“

اب سب کچھ بہت اچھا ہے۔ اللہ کا شکر ہے ہر چیز کی فراوانی ہے، البتہ اب کہیں سے وہ آواز بھی نہیں آتی: ”آج تو میرا بیٹا بہت تھک گیا ہے۔“

☆☆☆

ام حمنہ۔ حیدر آباد

لوگوں کا کیا ہے!

ہر شخص کو آنسو بہانے کے لیے کاندھے، سر چھپانے کے لیے سینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کوئی ٹھنڈک کا مرہم جو جھلسے ہوئے دل پر رکھا جائے۔

سو خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں مدرسے کا کاندھا اور قرآن کا مرہم نصیب ہو جائے، پھر جب اولادِ آدم کو کسی طور قرار آنے لگتا ہے اور فلاح نزدیک آ جاتی ہے تو شیطان لعین بھڑک اٹھتا ہے۔ زبانِ حال سے کہتا ہے: ”میں راندۂ درگاہ ہوں تو تجھے اس کے در پر چین کیسے لینے دوں؟ جب میں ناکام ہوں تو......تُو کس طور فلاح پا سکتا ہے!“

پھر وہ اردگرد کے لوگوں کو بھڑکاتا ہے اور وہ کہتے ہیں:

”یہ ہیں دین دار لوگ؟“

”یہ ہیں اہلِ مدرسہ......!“

”ہونہہ مدرسے جاتی ہیں محترمہ! عمل ول کچھ نہیں۔“

”خالی خولی درس میں جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

”ڈاڑھی رکھ کے، پردہ کر کے بھی یہ حرکتیں ہیں تو ہم تو بھئی بنا داڑھی پردے کے ہی اچھے!“

گویا ڈاڑھی رکھنا، پردہ کرنا، مدرسے جانا، درس سننا سب جرم بن جاتا ہے مگر نا امید و مایوس نہ ہوں۔ کیسے بھی سہی، خشوع نہیں، لذت نہیں، تجوید نہیں، کیا یہ کم ہے کہ اُس کے آگے سر جھکا رہے ہیں، بندر اور سانپ کے آگے نہیں جھک رہے۔ کیا یہ کم ہے کہ گناہوں سے آلودہ ہو کر بھی اس کے در پر حاضری نصیب ہو جاتی ہے اور ہم اس کا در کھٹکھٹا آتے ہیں۔

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در
تجھ کو ہو کیوں اس کی فکر
تُو تو بس اپنا کام کر
یعنی صدا لگائے جا

کیا یہ کم ہے کہ عمل کی کوشش تو ہے؟ پھر چاہے عمل ٹھیک سے ہو نہ ہو۔ وہ ملے نہ ملے اس کی تلاش تو ہے، دل نادم، بے قرار تو ہے!

حدیث پاک کا مفہوم ہے:

”اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لیتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔“

جو رب اذان قرآن کی صداؤں میں بلانے پر قادر ہے، وہی سمجھ بھی دے گا عمل بھی دے گا۔ من الجنۃ والناس کی تمام بے سروپا باتوں کے باوجود چھپنے کو اپنی رحمت کا سینہ بھی دے گا، آنسو بہانے کو اپنا در بھی دے گا اور ٹھنڈک کا مرہم بھی رکھے گا......!

ورنہ لوگوں کا کیا ہے......وہ تو اللہ کو بھی کہتے ہیں اس کا بیٹا ہے (نعوذ باللہ)۔

کیا آپ کی بیٹی بڑی ہو رہی ہے؟

اُم عافیہ

کہتے ہیں کہ لڑکیاں دیکھتے ہی دیکھتے قد نکال لیتی ہیں، اور پر لگا کر اگلے گھر جا پہنچتی ہیں۔ آپ بھی اگر ایک بیٹی کی ماں ہیں اور آپ کی بیٹی بلوغت کی عمر میں قدم رکھ رہی ہے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کی ذمے داری پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

دراصل یہ عمر بہت حساس ہوتی ہے۔ اِس عمر میں بچی کے ذہنی رجحان اور اس کی جذباتی اور ذہنی کیفیت پر توجہ دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔

اب آپ کی بیٹی بچی نہیں ہے، اور میچور بھی نہیں، بلکہ وہ جیسی بھی ہے اس کے مطابق آپ نے اس سے سلوک کرنا ہے۔

پہلے آپ کی بیٹی آپ کی لاڈلی تھی مگر اب آپ کو اس کے ساتھ دوستی کرنی ہے۔ آپ نے اسے بتانا ہے کہ اس کے جسم میں کیا کچھ تبدیلیاں آ رہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ بہت توجہ سے ان تبدیلیوں کا حل بھی بتانا ہے۔ اس عمر میں آپ اگر اپنی بیٹی کو نہیں سمجھائیں گی تو ممکن ہے صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طبیعت غلط رخ اختیار کر لے۔

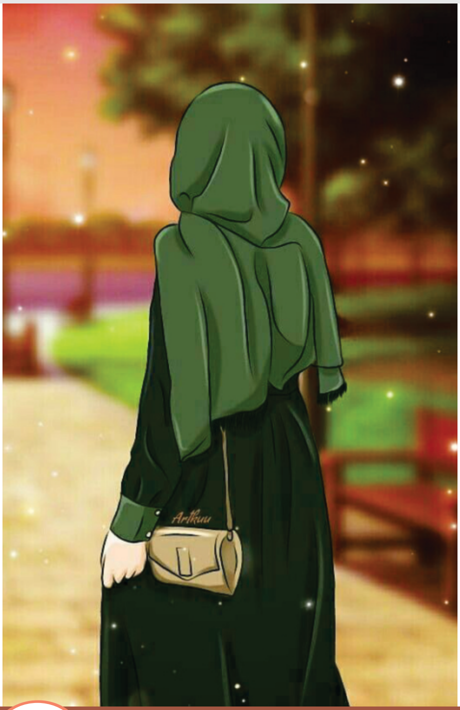

آپ نے اُسے نہایت پیار کے ساتھ حلال و حرام اور نیک و بد سمجھانے کے ساتھ ماحول کے چال چلن کے بارے میں بھی بتانا ہے۔ اپنی بیٹی کی تربیت کے لیے ایک بات تو یہ ضروری ہے کہ اسے دینی مسائل سے آگاہی دلائی جائے۔ دوسرا یہ کہ اسے صاف ستھرا ادب پڑھنے کو دیا جائے۔ ڈائجسٹوں سے اپنی بیٹی کو دور رکھیں۔ بیٹی کو مصروف رکھنے کے لیے گھر کے ہلکے پھلکے کام میں لگایا جائے۔ اس عمر کی لڑکیاں یا تو بہت شوخ ہوتی ہیں یا بہت شرمیلی......! ماؤں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اِن دونوں انتہاؤں کے درمیان رکھیں۔

اور ہاں! بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہی اسے شرعی پردے کی اہمیت بتائیں اور اسے بتا دیں کہ اسے کن لوگوں سے اب پردہ کرنا ہے اور کن لوگوں کے سامنے وہ کھلے منہ آ سکتی ہے۔

بزمِ خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ اس ہفتے کے شمارے کا اتنا بے چینی کے ساتھ انتظار تھا کہ بس۔ ایک ایک گھڑی صدیوں پر محیط معلوم ہوتی تھی۔ دراصل ہمیں یقین تھا کہ اس بار ہمارا رسالے میں ضرور خط ہوگا، دوسری وجہ ناولٹ ''یہ جہاں چیز ہے کیا؟'' کی قسط تھی۔ مدیر چاچو حور عینا اور میرا یہی حال ہوتا ہے کہ رسالے والے دن ہم جلے پیر کی بلی کی طرح چکر لگاتے رہتے ہیں کہ کب ہمارا محبوب رسالہ آئے گا؟ ''کل اور آج'' تحریر پڑھ کر ہم نے اپنے باطن میں جھانکا اور اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا۔ ''لاڈی'' تحریر پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ 'نوک جھونک' کہانی پڑھ کر لطف آگیا۔ یہ پیار گھروں میں نہ ہو تو نجانے دنیا کیسے چلے؟ مدیر چاچو! براہِ کرم ہمیں اتنی اچھی دعا دیجیے کہ ہمارا دل خوش ہو جائے۔

(حور عینا ثانیہ۔ ٹھل نجیب، کبیر والہ)

ج: ایمان کی حلاوت، زندگی بعافیت، موت بصورت شہادت اور آخرت میں بے حساب نجات کے سوا اچھی دعا اور کیا ہو سکتی ہے! اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین!

☆ ایڈیٹر انکل! امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ انکل! میں اتنی بار آپ کو خطوط و کہانیاں ارسال کر چکی ہوں مگر کہانیاں تو درکنار خطوط کے بارے میں بھی پتا نہیں چلتا کہ کہاں گئے؟ اگر آپ کو ہماری بات مبالغہ لگے تو ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انکل ہم نے آپ کو سب سے پہلا خط اور کہانی اُس وقت بھیجا تھا جب ہماری عمر چودہ سال تھی اور ہم نہم جماعت کے طالب علم تھے، یعنی تقریباً تین سال پہلے۔ اب آخری امید کے ساتھ یہ آخری خط ہے۔ اگر شائع ہو گیا تو فبھا ورنہ پھر ہمیشہ کے لیے ٹاٹا بائے بائے اور اگر آپ تک ہمارا یہ خط پہنچ گیا تو پلیز ہمارے لیے دعا بھی کر دیجیے گا۔ آج کل زندگی بالکل بھی اچھی نہیں گزر رہی۔ آپ بزرگوں کی دعا سے شاید کچھ سکون میسر آجائے۔ اللہ پاک آپ کو آپ کے پیاروں کے سنگ ہمیشہ خوش رکھے۔

(رمیصاء ذکی۔ ایئرپورٹ، کراچی)۔

ج: عمر سترہ سال اور مایوسی و بے سکونی کا عالم! توبہ توبہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ابھی آپ کے تو ہنسنے کھیلنے، کھانے پینے کے دن ہیں، سو خوش رہا کیجیے، بالفرض خوشی میسر نہیں ہے تو آس پاس والوں کی، خلقِ خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیجیے، پھر دیکھیے زندگی میں سکون ہی سکون، خوشی ہی خوشی! اور ہاں چاچا، ماموں، بھائی، دادا، نانا کچھ بھی کہیے، ہمیں منظور مگر انکل تو سچی بات ہے کہ بہت بُرا لگتا ہے!

☆ شمارہ ۱۰۵۷ کی سرورق کہانی 'کبھی غم کبھی ہنسی' بہترین تھی۔ 'سستی جنت' پڑھ کر ہنس دیے۔ واقعی معاشرے میں یہ بیماری عام ہے کہ نت نئے ناموں کے چکر میں معانی پر غور نہیں کیا جاتا۔ ''عربی کے چمن سے'' خوب صورت انتخاب تھا۔ 'بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چل!' سفرِ حجاز کی بہترین داستان ہے۔ 'سول سوسائٹی' سبق آموز تحریر تھی۔ جناب مدیر صاحب! میری بیٹی 'بنت مولوی شبیر احمد' نے دوبارہ اپنی تحریر 'میری آپی' بھیجی ہے۔ آج تک نہیں چھپی۔ فی الحال نمبر نہیں آیا یا قابلِ اشاعت نہیں ہے......؟ (مولوی شبیر احمد۔ چک 52/WB غربی، وہاڑی)

ج: جناب! خط پڑھ کر فائل دیکھی ہے تو بصد معذرت ہمارے پاس یہ تحریر موجود نہیں ہے، لگتا یہی ہے کہ قابل اشاعت نہ ہوگی۔

☆ شمارہ ۱۰۵۵ پڑھا، الحمدللہ بہترین لگا۔ القرآن والحدیث کے بعد دینی مسائل میں اوجھڑی کے بارے میں خوب معلوم حاصل ہوئیں۔ اس کے بعد آئینہ گفتار پڑھا جو اپنی نوعیت کا منفرد لگا۔ 'خوشیوں کا غم' تحریر شادی سادی کے بارے میں سمجھا رہی تھی۔ 'اگلا طبق' زندگی وموت کی بے حسی کے متعلق بتا رہی تھی۔ ''ہمارے نانا جی'' پڑھ کر ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ 'کھیر کی پیالی' بہت پسند آئی۔ بہزاد لکھنوی کی نظم 'یا مدینہ' نے دل میں مدینہ کی عظمت کو بڑھایا۔ اللہ رب العزت اس رسالے کے قارئین، لکھاریوں اور مدیر محترم کو بار بار حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائے، آمین ناولٹ 'یہ جہاں چیز ہے کیا' مکمل ہوا تو خوشی ہوئی کہ ہم نے پہلے ہی اندازہ لگا رکھا تھا کہ مومنہ ہی کی شادی حسین سے ہوگی۔

(ماہ نور قاسم، اقصیٰ صفدر، حفصہ صفدر۔ کوٹ اسلام)

ج: آپ کے نیک گمان کے کیا کہنے۔

☆ شمارہ ۱۰۵۶ اور ۵۷ دونوں شمارے ہی ہر لحاظ سے بہترین تھے۔ کہانی 'جنوں کا نام خرد رکھ دیا' بہت پسند آئی۔ آپی عامرہ احسان کی ہر تحریر ہی رسالے کی زینت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ 'ہم سٹھیائے ہوئے ہیں' تحریر پڑھ کر مسکرا اٹھے۔ 'کبھی غم کبھی ہنسی' کہانی پڑھ کر دل افسردہ سا ہو گیا۔ اس کے علاوہ 'سول سوسائٹی' اور 'بڑے لوگ' بھی زبردست تحریریں تھیں۔ 'بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل' ایسے مبارک سفرنامے ماشاء اللہ آج کل تواتر سے شائع ہو رہے ہیں۔ دل کرتا ہے وقت تھم جائے اور ہم ان مبارک سفرناموں میں ہی کھوئے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زیارت کی سعادت نصیب فرمائے، آمین۔ (بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

ج: آمین ثم آمین۔

☆ پچھلے شماروں میں ناولٹ 'یہ جہاں چیز ہے کیا؟' بہت ہی خوب رہا۔ اس کی تعریف کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ 'معاشرے کا سدھار' پڑھ کر بہت زیادہ دکھ ہوا۔ اس بار بزم خواتین میں صرف پانچ خط تھے۔ جس ہفتے زیادہ خط ہوتے ہیں، اس دن میری خوشی عروج پر ہوتی ہے، کیونکہ اس طرح تمام قارئین سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

(حور عینا بنت محمد الیاس۔ ٹھل نجیب)

ج: اس بار آٹھ ہیں۔ ویسے تو ہمارے پاس الحمدللہ ہر وقت اتنے خطوط ہوتے ہیں کہ تین چار صفحے ہر ہفتے بھر جائیں مگر پھر تحریریں کم ہو جائیں گی۔

☆ شمارہ ۱۰۵۷ کا سرورق دیدہ زیب تھا۔ القرآن الحدیث کے بعد خواتین کے دینی مسائل پڑھے اور دونوں سلسلوں سے بہت استفادہ کیا، پھر آئینہ گفتار 'سستی جنت' کے لیے تو چاچو جی آپ کا شکریہ کیونکہ ہم بھی ان اوٹ پٹانگ ناموں کی وجہ سے کافی خائف سے رہتے تھے۔ ہمیں تو اپنا نام 'لائبہ' بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا کئی دفعہ گھر والوں سے کہا کہ بدل دیں لیکن کوئی مانتا ہی نہیں تھا کہ اس کا مطلب صحیح نہیں ہے اور اب آپ نے بتا کر تو گویا ہمیں سپورٹ کر دیا۔ ہم نے تو اسی دن شور مچا دیا کہ ہمارا نام بدلیں اور شکر ہے کہ گھر والوں نے بدل بھی دیا۔ باقی سارا رسالہ ہی شاندار تھا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ بالخصوص 'کبھی غم کبھی ہنسی' اور 'سول سوسائٹی' تو عصر حاضر کی عکاسی کر رہی تھیں۔ (سارہ عبدالرحیم۔ فیروزہ)

ج: واہ بہت خوب۔ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کو انجانے ہی میں سہی ہماری سپورٹ مل گئی، خوش رہیں!

اُمہات المؤمنین کا مقام!

سارہ فیصل

مومنین کی مائیں:

قرآن مجید میں ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب۔ ۶)

مفہوم: نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اہلِ ایمان کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور اُن کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

عام عورتوں کی طرح نہیں:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (الاحزاب۔ ۳۲)

مفہوم: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

امہات المؤمنین کی حرمت:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا۔ (الاحزاب۔ ۵۳)

مفہوم: تمھارے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا پہنچاؤ اور یہ بھی جائز نہیں کہ کبھی بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کرو، بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی (خطرے کی) بات ہے۔

جناب سید سلمان گیلانی کو امت کی ماؤں کے لیے کیا خوب کلام عطا ہوا ۔

پسندیدہ خدا کی ہو نبیؐ کی بیبیاں تم ہو
یہ کیا کم ہے کہ ختم المرسلینؐ کی رازداں تم ہو
تمھاری شان پر سایا خزاں کا کیسے ہو ممکن
گلستانِ نبی کی جب بہارِ جاوداں تم ہو
مہ و خورشید و انجم، کہکشاں تم سے ہوئے پیدا
خدا کو علم ہے، علمِ نبی کا آسماں تم ہو
تمھارا مرتبہ ہر مومنہ عورت سے بڑھ کر ہے
قیامت تک نہ پہنچے گی وہاں کوئی، جہاں تم ہو
تمھاری شان میں قرآن کی آیات اتری ہیں
خدا ہے آپ جن کی عفتوں کا پاسباں، تم ہو
سبق امت کی ساری بیٹیوں نے ہے لیا تم سے
دبستانِ رسول اللہ کی استانیاں تم ہو
ملے گی تم کو جنت میں جگہ ان شاء اللہ سلمانؔ
کہ ازواجِ نبیؐ کے صدقِ دل سے مدح خواں تم ہو

سِلوٹیں

بنت نجم الدین۔ ڈیرہ اسماعیل خان

''بھائی! تمھیں پتا ہے ناں مجھے اپنے اس کمرے سے کتنا لگاؤ تھا۔ میں اسے کتنا صاف ستھرا رکھتی تھی۔ تمھیں یاد ہوگا ایک بار تم گیلے جرابوں سے آ گئے تھے قالین پر تو میں نے کتنا واویلا کیا تھا......!؟''

حسان ہنسنے لگا۔

''اب بھی میں آتی ہوں تو مجھے تب تک چین نہیں آتا جب تک میں اِس کمرے میں کچھ دیر بیٹھ نہ جاؤں۔''

''کیوں نہیں حفصہ! اب بھی یہ تمھارا ہی گھر ہے۔''

''لیکن بھائی! اب بچے ساتھ ہوتے ہیں تو تمھارے بستر کی چادر بے ترتیب ہو جاتی ہے۔''

''تو کیا ہوا وہ دوبارہ بھی تو ٹھیک ہو سکتی ہے۔''

''بس بھائی! بھابی کے ماتھے کی سلوٹ اِس چادر کے سلوٹ سے زیادہ پریشان کرتی ہے۔''

حفصہ نے افسردہ ہو کر کہا۔

حسان خاموش ہو گیا۔

☆......☆

''دیکھو تو ذرا حفصہ باجی کے بدتمیز بچوں کو، کتنی ہی بار میں چادر سیٹ کرتی ہوں، وہ خراب کر دیتے ہیں۔ آج تو پانی کا گلاس ہی گرا دیا، باجی بچوں کے ساتھ تو نہ آیا کریں ناں کم از کم اس کمرے میں۔''

رفعت مسلسل بڑبڑا رہی تھی کہ حسان بول اٹھا:

''تو کیا ہوا؟ پانی ہی تو تھا۔ تمھیں معلوم بھی ہے کہ تمھاری ایسی باتیں مجھے کتنی تکلیف دیتی ہیں پھر بھی بولتی ہو۔''

''اِس کا مطلب ہے کہ غلط میں ہوں؟''

''میں نے کب کہا کہ تم غلط ہو، بس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کمرے کی سجاوٹ، بناوٹ، یہ الماریاں، یہ شوکیس یہ سب حفصہ نے اپنے پیسوں سے سیٹ کیا تھا۔ وہ ٹیوشن پڑھایا کرتی تھی اور ساتھ ساتھ سلائی بھی۔ اپنا کمایا پیسہ اس کمرے کو سجانے میں لگایا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اسے تو اگلے گھر جانا ہے۔ میری شادی سے پہلے امی سے اُس نے کہا تھا کہ اس کمرے میں شفٹ ہو جائیں لیکن میری ضد تھی کہ میرا یہی کمرہ ہوگا اور آج، آج اسے تمھاری پیشانی کی سلوٹیں چادر کی سلوٹوں سے زیادہ پریشان کرتی ہیں۔ جانتی ہو تمھارا یہ رویہ اسے کتنا دکھ دے رہا ہے، وہ آتی کب ہے یہاں، پندرہ بیس دن میں ایک بار چند گھنٹوں کے لیے، اگر وہ تھوڑی دیر یہاں بیٹھ بھی جاتی ہے تو وہی لمحات اس کے لیے دکھ کیوں بن جاتے ہیں؟''

حسان کے الفاظ میں آج کچھ ایسا درد تھا کہ رفعت کو شرمندہ کر گیا۔

اس کا جھکا سر اٹھا۔ ''واقعی مجھ سے غلطی ہوئی، معافی چاہتی ہوں، آئندہ میں کسی کے دکھ کا سبب نہیں بنوں گی۔''

اس کے احساسِ ندامت سے کہے گئے الفاظ حسان کے لیے باعثِ خوشی تھی۔

☆☆☆